ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE: 2789-8784

ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
etitor@zauq-e-tahqeeq.com

ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.5,Issue No.2(2023)
(July to September)

ڈاکٹر اے بی اشرف کی سفر نامہ نگاری

Travelogue of Dr. AB Ashraf

فخر ولیم

لیکچرار، شعبہ اُردو، گورنمنٹ گریجویٹ کالج، خانیوال

ڈاکٹر شازیہ عنبرین

شعبہ اُردو، بہاؤالدین زکریا یونی ورسٹی، ملتان

Fakher William

Lecturer, Department of Urdu, Govt. Graduate College for Women, Khanewal

Dr. Shazia Ambreen

Department of Urdu,Bahuddin Zikria University, Multan

Abstract:

In the long list of travel writers, the name of Ibn Insha cannot be ignored. He added literature and elegance to his travelogues. In this way, the tradition of elegance and humor flourished in Urdu travelogues. If you want to go to China, in the context of Ibn Battuta, the travelogues like the world before me have a unique place in the tradition of Urdu travelogues. It is achieved. Even in this document, women are not behind anyone. It is also true that the names of women are less in the tradition of travelogues, but in terms of quality, these travelogues are not inferior to anyone. Begum Akhtar Riazuddin's travelogues. The names of Shafiqur Rehman, Attaul Haq Qasmi, Ashfaq Ahmed, Jameeluddin Ali and Mustanasir Hussain Tarar are enriching the tradition of Urdu Safarnama.

Keywords:writers, travelogues, elegance, Begum Akhtar, Shafiqur Rehman, tradition

سفر نامہ ادب کی ایسی صنف کو کہتے ہیں جس میں مصنف اپنے کسی سفر کی روداد بیان کرتا ہے۔ یعنی سفر نامے میں کسی دوسرے ملک یا شہر کے حالات کو اس طرح سے بیان کیا جاتا ہے کہ پڑھنے والے بھی مصنف کے تجربے کا حصہ بن جائیں۔ سفر نامہ اس نقطہ نظر سے لکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں نے اس ملک یا شہر کو نہیں دیکھا وہ بھی اس کے بارے میں جان سکیں۔ یہ بات طے ہے کہ سفر نامہ اس لیے لکھا جاتا ہے کہ دوسرے لوگوں کو اپنے تجربے کا حصہ بنایا جا سکے۔ خود ڈاکٹر اے بی اشرف اپنے سفر نامے کی وجہ تخلیق بتاتے ہیں:

> ”یہ سب کچھ لکھنے کا خیال اس لیے بھی آیا کہ میں جب کبھی کسی ملک کی سیر کو نکلا، تو پہلے اس کے بارے میں کسی سفر نامے کی تلاش ہوئی۔ اول تو ملا نہیں اور اگر ملا تو افسانہ زیادہ تھا سفر نامہ کم۔ نہ اس میں معلومات تھیں نہ رہنمائی۔۔۔ البتہ انگریزی

کے کچھ سفر نامے دیکھنے کا موقع ملا۔ ان میں معلومات زیادہ تھیں افسانہ طرازی اور رومان کی چاشنی کم سے کم یا نہ ہونے کے برابر تھی۔"(۱) ا ذوق دشت نوردی

اس پیراگراف سے جہاں سفر نامہ لکھنے کا جواز سامنے آتا ہے وہاں مصنف کا تصورِ سفر نامہ بھی سامنے آتا ہے۔ یعنی ان کا خیال یہ ہے کہ سفر نامے میں نئے سیاح کے لیے ہدایات اور راہنمائی ملتی ہے۔ انہوں نے جب بھی کسی ملک کے سفر کا ارادہ کیا، رہنمائی کے لیے اس ملک کے سفر نامے دیکھے، اردو سفر ناموں میں رنگ آمیزی اور افسانویت زیادہ تھی، معلومات نہ ہونے کے برابر تھیں اور انگریزی زبان میں لکھے گئے سفر ناموں میں معلومات زیادہ تھیں اور افسانویت یعنی اسلوب کی چاشنی نہ ہونے کے برابر تھی۔ ان کے نزدیک دونوں عناصر کا ہونا سفر نامے کے لیے ضروری ہے۔

ڈاکٹر اے بی اشرف کے سفر ناموں پر بات کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ کچھ ذکر سفر نامے کے فن اور روایت کا ہو جائے۔ ڈاکٹر انور سدید کے مطابق:

"سفر نامے کا شمار اردو زبان کی بیانیہ اصناف میں ہوتا ہے۔ سفر نامہ چونکہ چشم دید واقعات پر لکھا جاتا ہے اس لیے سفر اس کی اساسی شرط ہے۔ بادی النظر میں سفر کے ساتھ انجانے دیسوں کی سیر، نئی فضاؤں سے واقفیت اور انوکھے مناظر کے مشاہدے کا تصور وابستہ ہے، اس لیے سفر میں تحیر کا عنصر فطری طور پر شامل نظر آتا ہے اور یہ تحیر انسان کو سفر پر اکساتا ہے۔"(۲)

یہاں سب سے اہم نقطہ جو سامنے آیا ہے وہ ہے سفر نامہ نگار کا خود سفر کے تجربے سے گزرنا، جو کچھ وہ دیکھے، محسوس کرے یا جن جن باتوں کا اسے تجربہ ہو، انہی کا اظہار کرے۔ یعنی سفر نامہ کے لیے اگر رنگینی عبارت ضروری ہے تو تجربے کی سچائی کا ہونا بھی ضروری ہے۔ صرف مطالعے یا سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر سفر نامہ لکھنا مناسب نہیں۔ ذاتی تجربے کا ہونا اشد ضروری ہوتا ہے۔ اسی لیے تو رفیع الدین ہاشمی اسے آپ بیتی کی ایک شکل قرار دیتے ہیں۔(۳) رفیع الدین ہاشمی سفر نامے کے لیے دو باتوں کا ہونا ضروری قرار دیتے ہیں۔ ایک واقعاتِ سفر کی ندرت وحدت اور دوسری اندازِ بیاں کی تازگی۔ یہ دونوں بہت ضروری عوامل ہیں ان کے بغیر سفر نامے کا تصور کرنا بھی محال ہے۔ ان پر بعد میں بات ہو گی؛ ابھی سفر نامے کی ایک دو اور تعریفیں دیکھ لی جائیں۔

"سفر نامہ ہر ادب کی ایک مستقل بیانیہ صنف ہے جس میں خارجی مشاہدے کو تخیل پر فوقیت حاصل ہے۔ البتہ سفر سے متعلق ہونے کے باعث سفر نامے میں تحیر کا عنصر نمایاں تر ہے لیکن یاد رہے کہ مستقل ادبی صنف ہونے کے ناتے سفر نامے کی پیش کش ادبی نوع کی ہو گی نہ کہ صرف مسافر کا بیان۔ اس لیے بہ امر مجبوری سفر اختیار کرنے والے ہر مسافر کا احوال ادب کی ایک مستقل صنف سفر نامہ یا سیاحت نامہ نہ کہلائے گا۔"(۴)

اس اقتباس میں بھی بنیادی نقطہ فن کے حوالے سے زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ تحیر کا عنصر تبھی پیدا ہو سکتا ہے جب سفر نامہ لکھنے والا کچھ نیا، منفرد اور چونکا دینے والا بیان سامنے لائے۔ اب تک کی آراء کو سامنے رکھتے ہوئے جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے

کہ سفر نامہ کسی جگہ کے سفری حالات اور تجربات کو سامنے لاتا ہے، اس کے لیے سفر کرنا ضروری ہے، ہر سفر کرنے والا سفر نامہ نہیں لکھ سکتا، اس کے لیے وہ آدمی سود مند ثابت ہو سکتا ہے جسے سفر کرنے، نئی نئی جگہوں، ملکوں اور دنیاؤں کو دیکھنے کا جنون کی حد تک شوق ہو۔ وہ اپنے تجربات میں دوسروں کو شریک کرنے کی خواہش رکھتا ہو۔ یہاں سب سے اہم سوال یہ سامنے آتا ہے کہ آخر کسی اور کے سفری حالات سے دوسروں کو کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟ یا یہ کہ میرے سفر نامے کو کوئی دوسرا کیوں پڑھے؟ تو اس کا ایک ہی جواب بنتا ہے کہ سفر نامہ کا اسلوبِ بیاں دلچسپ ہونا چاہیے تبھی اسے پڑھا جائے گا۔ اور خاص طور پر عہدِ حاضر میں جب دنیا سمٹ کر گاؤں میں بدل چکی ہے، آپ دنیا کے کسی بھی خطے کے بارے میں معلومات بلکہ تصویری معلومات گھر بیٹھے حاصل کر سکتے ہیں تو پھر سفر نامے کے لکھنے کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے۔

سفر نامے کا ایک ہی جواز بنتا ہے اور وہی ایک جواز اسے مستقل ادبی صنف بھی بناتا ہے وہ ہے دلچسپی کے عناصر۔ اس کا بیانیہ اتنا دلچسپ ہونا چاہیے کہ تمام تر معلومات رکھنے کے باوجود قاری سفر نامہ پڑھنے پر مجبور ہو جائے۔ بیانیہ کی یہی خوبی اسے ادب میں جگہ بھی دیتی ہے اور قاری بھی۔ اسی لیے تو ڈاکٹر اے بی اشرف کے مزکورہ بالا اقتباس میں بتایا گیا ہے کہ اردو کے سفر ناموں میں معلومات کی کمی اور افسانویت کی کثرت ہے جب کہ انگریزی زبان میں لکھے گئے سفر ناموں میں معاملہ بالکل الٹ ہو جاتا ہے۔ وہاں معلومات کی بھرمار اور افسانویت یعنی ادبی چاشنی کی شدید قلت نظر آتی ہے اور شاید یہی وجہ اے بی اشرف کو سفر نامہ لکھنے پر مجبور کرتی ہے۔

اردو میں سفر ناموں کی روایت کا جائزہ لیں تو پہلا سفر نامہ یوسف خان کمبل پوش کا "عجائباتِ فرنگ" نظر آتا ہے۔ یہ ۱۸۴۷ء میں سامنے آیا۔ اس سفر نامے میں مصنف نے لندن کے سفر کی یادوں کو پیش کیا ہے۔ (۵) کمبل پوش کے اس سفر نامے میں وہ تمام عناصر موجود ہیں جو کسی بھی سفر نامے کا ضروری حصہ ہوتے ہیں۔ وہ سیاح کی آنکھ اور ادیب کا بیان رکھتے ہیں، اس لیے عجائباتِ فرنگ کو اردو کا پہلا باقاعدہ سفر نامہ کہا جاتا ہے۔ ان سے پہلے بھی بہت سی کتابوں میں سفر نامے کے بکھرے ہوئے اجزاء موجود ہیں؛ لیکن اس سفر نامے میں تمام محاسن موجود ہونے کے سبب اولیت کا تاج یوسف خان کمبل پوش کے سر جاتا ہے۔ عجائباتِ فرنگ کے بعد سب سے اہم نام "مسافرانِ لندن" کا آتا ہے۔ ۱۸۶۹ء میں سر سید نے لندن کا سفر کیا۔ یہ سفر نامہ اس سفر کی روداد پر مشتمل ہے۔ یہ سفر نامہ ادبی سے زیادہ سیاسی حوالے سے اہمیت کا حامل ہے۔ سر سید احمد خان نے لندن سے واپسی پر جو اقدامات مسلم قوم کی فلاح اور اصلاح کے لیے اٹھائے ان کی کڑیاں کہیں نہ کہیں اس سفر سے جڑی ہیں۔ اردو کے ابتدائی سفر ناموں میں ایک اور سفر نامہ بہت اہمیت کا حامل ہے وہ ہے "کالا پانی"۔ کالا پانی کے مصنف مولانا جعفر تھانیسری کو انگریز گورنمنٹ کی جانب سے کالا پانی کی سزا دی گئی اور اس تجربے کو انہوں نے سفر نامے کی صورت میں پیش کر دیا ہے۔ مولانا شبلی نعمانی کا سفر نامہ "سفر نامہ مصر روم اور شام" بھی اردو کے ابتدائی سفر ناموں میں بہت اہمیت کا حامل ہے۔

سفر نامہ نگاروں کی طویل فہرست میں ابنِ انشاء کا نام نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ انھوں نے اپنے سفر ناموں میں ادبیت اور ظرافت کو شامل کیا۔ یوں اردو سفر ناموں میں ظرافت اور مذاح کی روایت پروان چڑھی۔ "چلتے ہو تو چین کو چلیے"، "ابنِ بطوطہ کے تعاقب میں"، "دنیا میرے آگے" جیسے سفر ناموں کو اردو سفر نامے کی روایت میں منفرد مقام حاصل ہے۔ اردو کی دیگر اصناف کی طرح اس صنف میں بھی خواتین کسی سے پیچھے نہیں رہیں۔ یہ بھی سچ ہے کہ سفر ناموں کی روایت میں خواتین کے نام کم ہیں لیکن معیار کے اعتبار سے یہ سفر نامے کسی سے کم نہیں ہیں۔ بیگم اختر ریاض الدین کے سفر نامے کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ شفیق الرحمٰن

،عطاالحق قاسمی، اشفاق احمد، جمیل الدین عالی اور مستنصر حسین تارڑ کے نام اردو سفر نامے کی روایت کو ثروت مند بنا رہے ہیں۔ ڈاکٹر اے بی اشرف کے دو سفر نامے شائع ہو چکے ہیں۔ پہلا سفر نامہ (اسے سفر ناموں کا مجموعہ بھی کہا جا سکتا ہے) "ذوقِ دشت نوردی" کے عنوان سے ۲۰۱۵ء میں جمہوری پبلی کیشنز سے شائع ہوا۔ دوسرا سفر نامہ "ہوسِ سیر و تماشا" کے عنوان سے ۲۰۱۶ء کو جمہوری پبلی کیشنز سے شائع ہوا۔ ذوقِ دشت نوردی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''میں کوئی پیشہ ور سفر نامہ نگار نہیں ہوں، نہ ہی افسانہ طراز ہوں۔ تھوڑی بہت تنقید لکھی ہے۔ وہ بھی ایسی قابلِ توجہ نہیں، لیکن ان ملکوں کی سیر کے بعد سوچا کہ اپنے تجربوں میں دوسروں کو شریک نہ کرنا بخل ہے۔ یہ کوئی باقاعدہ سفر نامہ نہیں، اس میں افسانوی انداز بھی نہیں، پھر مجھے مستنصر حسین تارڑ کی پاسکل (پیار کا پہلا شہر) جیسی لڑکی بھی نہیں ملی، جو میری آنکھوں کی تعریف کرتی یا مجھے یونانی دیوتا سے تشبیہ دیتی اس لیے ان کے سفر ناموں جیسا رومانی اور افسانوی ذائقہ میری ان یادداشتوں میں کم ہی ملے گا۔ زیبِ داستان کے لیے بڑھا کر میں نے دلچسپی کا سامان پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بس یہ کچھ یادداشتیں ہیں، کچھ نوٹس ہیں، کچھ معلومات ہیں''(۶)

ان میں سے زیادہ تر عناصر نہ ہونے کے باوجود نہ صرف یہ کہ دونوں کامیاب سفر نامے ہیں بلکہ سفر نامے کے بنیادی عنصر ''دلچسپی'' کے حامل ہیں۔ ان پر بعد میں بات ہو گی پہلے دونوں سفر ناموں کا مختصر تعارف ہو جائے۔ ڈاکٹر اے۔ بی اشرف کو ۱۹۸۳ء میں امریکا اور انگلستان جانے کا موقع ملا ان اسفار کی یاداشتیں اور ۱۹۸۸ء میں انقرہ یونیورسٹی ترکی کی مطالعہ پاکستان چئر پر تقرری کے بعد بہت سے ممالک کو دیکھنے کا اتفاق ہوا؛ ان تمام اسفار کی یاداشتیں ان کے پاس محفوظ تھیں ان کو ضبطِ تحریر میں لے آئے اور ذوقِ دشت نوردی کے عنوان سے شائع کرا دیا۔ اس سفر نامے میں مشرقی یورپ، برطانیہ، مڈل ایسٹ اور افریقہ کے چند ایک ملکوں کا حال شامل ہے۔ اس میں برطانیہ، اسنتبول، ترک قبرص، یونان، یوگوسلاویہ، اٹلی، آسٹریا، چیکوسلواکیہ، ہنگری، یوگوسلاویہ، بلغاریہ، ترکی، شام، اردن، عراق، مصر اور ترکی کی واپسی سمیت تقریباً سترہ تحریریں شامل ہیں جنہیں ایک سفر نامہ بنا کر شائع کرایا گیا ہے۔ دوسرا سفر نامہ بھی حادثاتی اسفار پر مشتمل ہے۔ اس وقت ایک پاکستانی پائلٹ عمران، ان کی بیگم اور دو بچے اپنی گاڑی پر یورپ کی سیر کو جا رہے تھے، انہوں نے دعوت دی اور ڈاکٹر اے بی اشرف نے قبول کر لی۔ ان دنوں یونیورسٹی میں چھٹیاں تھیں اور ویزوں کے مسائل کو سیکریٹری سفارت خانہ ''سہیل محمود'' کے مراسلے نے آسان کر دیے۔ لکھتے ہیں:

> ''اب کے جن ممالک کی سیر کی ان میں سے بعض کی سیر میں پہلے بھی کر چکا تھا، دوبارہ ان ممالک میں جانے کا مزا 'قندِ مکرر' جیسا تھا۔ پھر یہ بھی ہوا کہ اب کی بار بعض ممالک (خصوصاً مشرقی یورپ کے ممالک) کی سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی زندگی میں انقلابی تبدیلیاں آ چکی تھیں اور یہ تبدیلیاں سقوطِ روس کے سلسلے میں پیش آئیں۔ لیکن آج پھر روس اپنی کھوئی ہوئی طاقت کو بحال کرنے میں کوشاں ہے اور پیوٹن کی سربراہی میں اسے خاصی کامیابی مل رہی ہے۔''(۷)

ان سفر ناموں میں بکھراؤ کے باوجود جب ہم فنی پیمانے پر ان کا جائزہ لیتے ہیں تو ان میں وہ تمام عناصر موجود پاتے ہیں جو کسی بھی سفر نامے کی کامیابی کے لیے ضروری خیال کیے جاتے ہیں۔ سفر نامے میں سب سے اہم عنصر سفر نامہ نگار کا حقیقی سیاح ہونا ہے۔ حادثاتی سفر کو سفر نامہ بنایا تو جا سکتا ہے لیکن اس میں کامیاب سفر نامے کے عناصر نہیں ڈالے جا سکتے۔ ڈاکٹر اے بی اشرف کو نئی اقوام اور نئی دنیاؤں کو دیکھنے کا جنون کی حد تک شوق ہے۔ اور یہی شوق انہیں دنیا کے مختلف ممالک کی سیر پر مجبور کرتا ہے اور ان ممالک میں موجود اقوام کی سماجی زندگی کو دیکھنے پر راغب کرتا ہے۔

انہوں نے ایک کامیاب سفر نامہ نگار کی طرح اپنی بکھری ہوئی یادوں کو مجتمع کر کے نہ صرف محفوظ کیا بلکہ اس نقطہ نظر سے مرتب کیں کہ لوگ انہیں پڑھیں اور ان کے تجربات کا حصہ بنیں۔ یہی پہلا اور بنیادی نقطہ ہوتا ہے جو کسی بھی سفر نامے کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ سفر نامے کی کامیابی کے لیے دوسری شرط منظر نگاری ہوتی ہے۔ سفر نامہ نگار خود تو سیاح کی حیثیت سے مناظر کو دیکھتا ہے لیکن اس کی کامیابی اس میں ہوتی ہے کہ وہ یہ منظر قاری کی آنکھوں کے آگے زندہ کر دے۔ قاری کو پڑھتے ہوئے یوں لگے کہ وہ اس منظر کا حصہ بن چکا ہے۔ اسے لگے کہ وہ منظر اس کی آنکھوں کے سامنے مجسم ہو چکا ہے۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو ڈاکٹر اے بی اشرف بہت ہی کامیاب سفر نامہ نگار کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ ان کے پہلے سفر نامے سے ایک اقتباس:

> ”بعد دوپہر ہم Skopje پہنچے۔ سبزی منڈی سے کچھ ناشپاتیاں، تربوز، آڑو، کھیرے، اور سبز مرچیں خریدیں۔ سبزی پھل سب سستے تھے۔ ہر چیز باافراط موجود تھی۔ کوئی پراسراریت یا یبوست ہمیں نظر نہ آئی۔ نہ کسی نے جاسوسی کی نہ کسی نے ہمارا پیچھا کیا۔ یہاں سے آگے روانہ ہوئے راستے میں ایک بستی آئی۔ نام مجھے یاد نہیں رہا۔ مسجد کا گنبد دور سے نظر آیا۔ وہاں کچھ دیر کے لیے ہم ٹھہر گئے۔ اس بستی سے گوشت خریدنے کا ارادہ کیا۔ ہم یونان کے خنزیر سے ڈرے ہوئے تھے اس لیے دو تین دکانوں پر نہایت صحت مند گوشت لٹکا ہوا دیکھ کر غلط فہمی کا شکار ہوئے کہ شاید یہ بھی وہی ہے، لیکن جب ایک شخص سے پوچھا تو پتہ چلا کہ ساری بستی ہی مسلمانوں کی ہے۔ گوشت حلال ہے اور گائے اور دنبوں وغیرہ کا ہے، البتہ مریل جانوروں کا نہیں صحت مند جانوروں کا ہے“(۸)

مزکورہ بالا پیراگراف اس بات کا شاہد ہے کہ ڈاکٹر اے بی اشرف کو منظر نگاری پر عبور حاصل ہے۔ انہوں نے بہت سادگی کے ساتھ مسلمان سیاحوں کے سب سے بڑے مسئلے کی جانب اشارہ بھی کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مغربی اقوام کے کچھ رویے بھی سامنے لائے ہیں۔ کھانے پینے کی اشیاء ہر انسان کی ضرورت ہیں، ہر انسان کا یہ حق ہے کہ اسے خوراک وافر اور ارزاں نرخوں پر ملے اور صحت کے اصولوں کے مطابق ہو۔ یہ سب ہمیں مغربی ممالک میں تو دیکھنے کو مل جاتا ہے لیکن ہم جو کہ ہر معاملے میں مذہب کا سہارا لیتے ہیں، ہر لین دین میں خدا اور مذہب کو درمیان میں لے آتے ہیں؛ لین دین کے اتنے ہی برے آخر کیوں ہیں؟ سفر ناموں میں سیاح عمومانہ چاہتے ہوئے بھی تہذیبوں کا تقابل کر جاتے ہیں۔ اردو سفر نامہ نگاروں میں سے کچھ نام تو ایسے بھی ہیں جو باقاعدہ طے کر کے اپنی اور دیگر تہذیبوں کا تقابل کرتے ہیں۔ اس کا بنیادی فائدہ یہ ہوتا ہے کہ قاری کے سامنے دونوں تہذیبیں کھل کر سامنے آجاتی ہیں۔ یوں ہماری اپنی تہذیب کی خوبیاں اور خامیاں بھی ابھر کر سامنے آجاتی ہیں۔ اس لیے تقابلی مزاج یا تقابلی رویہ سفر نامے کو دلچسپ

بنانے کے ساتھ ساتھ اس کی وقعت میں بھی اضافے کا باعث ہوتا ہے۔ قاری بیک وقت دو تہذیبوں سے آشنا ہوتا رہتا ہے۔ ڈاکٹر اے بی اشرف نے بھی اپنے سفر ناموں میں بارہا اس تکنیک کا سہارا لیا ہے۔ انہوں نے جن ممالک کی سیر کی ان کے رویوں اور تہذیبی اقدار کا اپنے ملک کے لوگوں کے رویوں اور اقدار کے ساتھ تقابل کیا ہے۔ ذوقِ دشت نوردی سے ایک اقتباس:

> "آیا صوفیہ کے بالمقابل سلطان احمد کی مسجد واقع ہے۔ اسے نیلی مسجد کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں زیادہ تر نیلے رنگ کی منقش ٹائیلیں استعمال کی گئی ہیں۔ ملتان کی مسجدوں اور مقبروں میں بھی اسی رنگ کی ٹائیلیں استعمال کرنے کا بہت رواج ہے۔ اس کے جھروکوں میں رنگین شیشے لگے ہوئے ہیں، جو بہت خوبصورت دکھائی دیتے ہیں۔ جھاڑ و فانوس دیکھنے کے لائق ہیں۔ وسیع و عریض فرش پر قالین بچھے ہوئے ہیں۔ اس مسجد کی انفرادیت اس کے چھ مینار ہیں، جو اس کے حسن میں اضافے کا باعث ہیں، جب یہ مینار تعمیر کیے جا رہے تھے تو شریفِ مکہ نے سلطان احمد کو یاد دلایا کہ چھ مینار صرف مسجدِ حرام کے ہیں اس لیے یہ خلاف ادب ہے۔ اس پر سلطان نے مسجدِ حرام میں ایک مینار کا اضافہ کر دیا"(۹)

مزکورہ بالا پیراگراف میں دو تین باتیں قابلِ بحث ہیں۔ پہلی بات ترکی کی ثقافتی منہاج کو اپنے ہاں کی ثقافت سے تقابل، دوسری بات یہ کہ خوبصورت منظر نگاری، تیسری بات رواں اور شستہ اسلوبِ بیان۔ سفر نامے کا اسلوب بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اسی اسلوب کی دلکشی اور دلچسپی ہوتی ہے جو سفر نامے کو ادبی حیثیت دیتی ہے۔ سفر نامے کا اسلوب سادہ، رواں اور دلچسپ ہونا چاہیے تاکہ قاری تحریر کی قرأت سے لطف اندوز ہو سکے۔ ادب یا ادب کی کسی بھی صنف کا پہلا فرض لطف اندوز کرنا ہوتا ہے۔ قاری اس عمل سے جڑے گا تو متن کے معنی اور مفاہیم اور افادی پہلوؤں کی طرف دھیان دے گا۔ تو ڈاکٹر اے بی اشرف کے دونوں سفر ناموں کا اسلوب سادہ مگر ادبیت کے وصف کا حامل ہے۔ ہوسِ سیر تماشا میں ایمسٹرڈم کی یادداشت سے ایک اقتباس:

> "صبح گیارہ بجے آنکھ کھلی باہر نکل کر دیکھا تو ہمارے ہٹ کے دائیں طرف جھیل اپنا حسن بکھیر رہی تھی۔ بے شمار مرغابیاں اور بطخیں تیر رہی تھیں، کنارے پر مخملیں گھاس آنکھوں کو تراوٹ دے رہی تھیں، سامنے اور بائیں طرف دوسرے ہٹ تھے، یہ بہت بڑا کیمپنگ کمپلکس تھا۔ میں جھیل کنارے آ کر بیٹھ گیا اور فطرت کے حسن سے لطف اندوز ہونے لگا۔ جھیل کے اس پار گھنے درختوں کی قطاریں تھیں۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے جن کے سبب منظر مدہوش کن ہو رہا تھا۔"(۱۰)

اسی طرح یہ دونوں سفر نامے بیان کے حسن سے آراستہ ہیں۔ منظر نگاری، جزیات نگاری، سادگی، بناوٹ سے پاک زبان کا استعمال ڈاکٹر اے بی اشرف کے سفر ناموں کا لازمی وصف ہے۔ سادگی کا یہ قطعا مطلب نہیں ہے کہ ان کی تحریر بوریت کی حامل ہے۔ ان کی تحریر میں محاورہ، روز مرہ، تشبیحات اور استعارے کے رنگ بھی کہیں کہیں نظر آجاتے ہیں۔ لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ انھوں نے شعوری طور پر کچھ باتوں سے اجتناب کیا ہے۔ ایک تو بے جا طولت اور تحریر کو لمبا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اختصار

اور جامعیت ان کے اسلوبِ تحریر کا بنیادی وصف ہے۔ انھوں نے سفر نامے لکھنے کی خاطر سیاحت نہیں کی۔ سیاحت کی اور اپنے تجربے میں دوسروں کو شامل کرنے کی خاطر سفر نامے تحریر کیے۔ اگر وہ چاہتے یا پیشہ ور سفر نامہ نگاروں کی طرح سفر نامے لکھتے تو بڑے آرام سے دس بارہ سفر ناموں کی کتابیں تو آسانی سے بن ہی جاتیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے بیسیوں ملکوں اور معروف شہروں کی سیاحت کی۔ وہ سفر ناموں کی طومار لگانا چاہتے تو ہر ملک کے حوالے سے ایک سفر نامہ آسانی سے بنا سکتے تھے۔ ہمارے ہاں اردو سفر نامہ کی روایت میں ایسے کئی سفر نامہ نگار موجود ہیں جو ایک شہر سے دوسرے شہر جاتے ہیں اور سفر نامہ لکھ مارتے ہیں۔ بعض تو اتنے ماہر سفر نامہ نگار بن چکے ہیں کہ سفر نامے کے لیے سفر کی حاجت کے بھی محتاج نہیں رہے۔ وجدان کے سہارے چار صفحے معلومات اور چار سابقہ اسفار کے تجربات سے کام چلا لیتے ہیں۔ آخر کو تجربہ بھی تو بہت اہم چیز ہے۔

ڈاکٹر اے بی اشرف نے اپنے سفر ناموں کو حقیقت کے قریب ترین رکھنے کی کوشش کی، اور سچ تو یہ ہے کہ وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ٹھہرے ہیں۔ انھوں نے بے جا رنگ آمیزی کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، کہیں بھی اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ انہوں نے شعوری طور پر تحریر کو سجانے کے لیے یا اپنے سفر نامے میں دلچسپی کے عناصر شامل کرنے کی خاطر رنگینی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے کسی کردار کے ذریعے اپنے سفر نامے کو گلیمرائز کرنے یا سکینڈلائز کرنے کی قطعاً کوشش نہیں کی۔ ڈاکٹر اے بی اشرف کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہیں صنفِ مخالف کبھی نظر انداز کر ہی نہیں سکتی۔ وہ ہمیشہ عورت ذات کی توجہ کا محور رہے ہیں۔ پاکسان میں ہوں چاہے ترکی؛ وہ ہمیشہ عورت کی توجہ کا مرکز رہے شاید یہی وجہ ہے کہ انہیں کسی قسم کا گلیمر تخلیق کرنے کی ضرورت نہیں پڑی اور شاید یہ بھی ایک وجہ ہے کہ انہوں نے اس طرح کے کسی سکینڈل کو ضابطۂ تحریر میں لانے سے شعوری طور پر گریز کیا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر اے بی اشرف کے سفر نامے اردو سفر نامہ نگاری کی روایت میں منفرد مقام کے حامل ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ اے۔ بی۔ اشرف، ڈاکٹر، ذوقِ دشت نوردی، لاہور، جمہوری پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء، ص:۱۱

۲۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب میں سفر نامہ، لاہور، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، س۔ن، ص:۴۷

۳۔ رفیع الدین، ہاشمی، اصنافِ ادب، لاہور، سنگِ میل، ۱۹۹۸ء، ص:۱۸۸

۴۔ مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر، اردو سفر نامے کی مختصر تاریخ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۷، ص:۱۰

۵۔ محمد افتخار شفیع، اصنافِ نثر، لاہور، کتاب سرائے، ۲۰۱۲ء، ص:۹۹

۶۔ اے۔ بی۔ اشرف، ڈاکٹر، ذوقِ دشت نوردی، ص:۱۰

۷۔ اے۔ بی۔ اشرف، ڈاکٹر، ہوسِ سیر و تماشا، لاہور، جمہوری پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء، ص:۱۰

۸۔ اے۔ بی۔ اشرف، ڈاکٹر، ذوقِ دشت نوردی، ص:۹۴

۹۔ ایضا، ص:۴۴

۱۰۔ اے۔ بی۔ اشرف، ڈاکٹر، ہوسِ سیر و تماشا، ص:۶۸

References in Roman Script:

1. A.B. Ashraf, Dr. Zouk-e-Dasht Nawardi, Lahore, Jamhouri Publications, 2015, p.11

2. Anwar Sadid, Dr.,Urdu Adab Mien Safernama, Lahore,Magrabi Pakistan Urdu Academy, No. 47

3. Rafiuddin, Hashmi, Asanaf-e-Adab, Lahore, Sang-e-Meel, 1998, p. 188

4. Mirza Hamid Baig, Dr.,Urdu Safarnama Ki Mukhtasar Tareekh, Islamabad, Muqtadar-e-Qumi Language, 1987, p:10

5. Muhammad Iftikhar Shafi,Asnaf-e-Nasar, Lahore, Kitab Saraye, 2012, p: 99

6. A.B. Ashraf, Dr., Zouk-e-Dasht Noordi, p:10

7. A.B. Ashraf, Dr.,Hawas Sair-o-Tamasha, Lahore, Jamhori Publications, 2015, p:10

8. A.B. Ashraf, Dr., Zouk-i Dasht Noordi, p:94

9. Ibid, p: 44

10. A.B. Ashraf, Dr., Hawas Sair-o-Tamasha, p.: 68